# قرآن کریم کے بارے میں مستشرقین کے نظریات اور چند اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

* جناب ثناءاللہ

The orientalists who concentrated on Quran as their subject of study and research are mostly biased & dishonest. They intended to prove the Quran as a book of Holy Prophet (PBUH), not reveled, on the basis of fake & false reasons. Some of them tried to prove that the transcript of Quran has been changed. Some of them claimed that Quranic Arabic is not the Authentic Arabic of that age. This article includes, good and comprehensive information about the work of orientalists who concentrated on Quran & their work has been critically evaluated and logically condemned were needed.

## مختلف ادوار میں مطالعہ قرآن کریم کے حوالے سے اہل یورپ اور مستشرقین کے نظریات

جب مسلمان قوم اہل یورپ کے اردگرد کے ممالک میں آباد ہونے لگے، خاص کر شام، فلسطین، مصر اور اس کے بعد اندلس میں جو کہ یورپ کے دل کی مانند ہے۔ تو یورپ کے اہل علم اور اہل قلم طبقہ نے دین جدید کے جدید مفاہیم جو کہ یہودی اور عیسائی مفاہیم سے مختلف تھی، تعلق کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کوششوں کی ایک کڑی ۱۳۱۲ء میں جب فینا میں کلیسا کی کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں فیصلہ کیا گیا کہ یورپ کی مختلف درسگاہوں میں عربی زبان کی تدریس کے لئے باقاعدہ (Chairs) قائم کی جائیں (1)

## اہل یورپ کا قرآن کریم اور عربی زبان کو سمجھنے اور ترجمہ کرنے کی کوششیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک تحریک کی صورت میں عربی علوم اور قرآنی علوم کو جاننے کے لئے قشتالہ کے بادشاہ ''الفونس دہم'' نے ۱۲۶۹ء میں مریسلیاں میں اعلیٰ تعلیمات کا دارہ قائم کیا

* لیکچرر، شعبہ قرآن اینڈ تفسیر، کلیہ عربی و اسلامک سٹڈیز، AIOU، اسلام آباد

اوراس ادارے نے انجیل تلمو داور قرآن کریم کا ہسپانوی ترجمہ کیا۔اور بعض کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے ابراہام نے ''الفونس دہم'' کے کہنے پر سورۃ العارج کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ کیا،اور بعض محققین کا کہنا ہے بارہویں صدی عیسوی میں ۱۱۴۳ء میں پطرس محترم کے ایما پر پہلی مرتبہ قرآن حکیم کا لاطینی زبان میں ترجمہ مکمل ہوا۔ یہ پطرس محترم دیر کلونی کا رئیس تھا اور اسلام کے خلاف شدید تعصب رکھتا تھا (2)اسی صدی میں ایک پادری فیزایل نے پہلے عربی لاطینی ڈکشنری تیار کی تھی۔(3)

کچھ محققین کہتے ہیں باقاعدہ ایک تحریک کی شکل میں اہل یورپ کی کوششیں دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہیں۔ جب فرانس کا ایک راہب جربردی اورالیاک (۹۴۰.....۱۰۰۳ء) حصول علم کی خاطر اندلس گیا۔اشبیلیہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کیا اور یورپ اور پھر عربی زبان وادب اور ثقافت کا سب سے بڑا عالم شمار ہوا اور بعد میں ۹۹۹ء سے لے ۱۰۰۳ء تک سلفستر کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر فائز رہا۔(4)

یہ جتنی بھی مندرجہ بالا آراء ہیں انہیں ہم تحریک استشراق کی تاریخ کا مراحل تو قرار دے سکتے ہیں۔نقطہ آغاز نہیں، کیونکہ جس کام کا بیڑا یورپ کے دانشوروں نے اٹھایا تھا وہ دسویں صدی عیسوی سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا، کیونکہ نویں صدی عیسوی کا مؤرخ بارو قرطبی لکھتا ہے:

> ''اہل مالقہ یا تو مسلمانوں کی ثقافت سے استفادہ کرنے کے لئے قرآنیات، ادب، فقہ اور فلسفہ کے موضوع پر مسلمان مصنفین کی تصانیف کی طرف رجوع کرتے ہیں اور عربی تصنیفات کے کتب خانے قائم کرنے کے لئے کثیر اموال خرچ کرتے ہیں۔''(5)

اصل میں یہ کوشش مشرقی اور مغربی اہل کتاب نے مل کر آٹھویں صدی عیسوی میں شروع کی تھی۔ مشرقی اہل کتاب کا نمائندہ یوحنا دمشقی (۶۷۶.....۷۴۹ء) تھا جو خلیفہ ہشام کے زمانے میں بیت المال میں ملازم تھا۔اس نے ملازمت ترک کردی اور فلطسین کے ایک گرجے میں بیٹھ کر مسلمانوں کی تردید میں کتابیں لکھنے لگا۔اس نے اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھیں۔ '' **محاورۃ مع المسلم** '' اور '' **ارشادات النصاریٰ**

**فی جدل المسلمین** " (6)اگر یوحنا دمشقی کو مشرقی یورپ ہونے کی وجہ سے مغربی نہ ماننا چاہئے تو تب بھی ان کوششوں کا آغاز آٹھویں صدی عیسوی سے ماننا پڑے گا کیونکہ اسی صدی میں مسلمانوں نے اندلس کو نہ صرف عسکری طور پر فتح کیا تھا بلکہ مسلمانوں کی تہذیب اوران کے مذہب نے بھی وہاں پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔

## قرآن کریم کا پہلا لاطینی ترجمہ

گیارہویں صدی عیسوی میں تقریباً شبہ کامل قرآن کریم کا ترجمہ لاطینی زبان میں اندلس کے شہر طیطلہ میں رابرٹ ڈی ریٹین (Robert De Retines) نے پطرس محترم کے ایماء پر کیا۔ بقول فرانسیسی مستشرق بلاشیر ریڑی(Blashere R.) طیطلہ کا یہ ترجمہ قرآن کی کامل نص پر مشتمل نہیں تھا اور یہ ترجمہ بعض دینی شخصیات کی خاص لائبریریوں میں موجود تھا۔ بقول بلاشیر چودھویں صدی عیسوی تک یورپ میں صرف قرآن کریم کا یہی ترجمہ موجود تھا۔ بعد میں ۱۳۱۵ء میں ریمون لیل نے لاطینی زبان میں دوسرا ترجمہ کیا۔

پھر ۱۵۴۳ء میں قدیم استنبول(Asntantinole) میں ایک تبشیری مرکز میں قرآن کریم کا ترجمہ بعنوان Alcorani Epetome کے نام سے ہوا۔لیکن قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ابھی تک یورپی ممالک میں لوگ جاہل اور بے خبر تھے۔ یہاں تک جرمن مستشرق مارٹن لوتھر Motin Lother (سولہویں صدی) نے قرآن کریم کے جرمن ترجمے کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

> ''میرا شوق تھا کہ قرآن کو خود پڑھوں۔لیکن تعجب ہے ابھی تک لاطینی زبان میں مکمل صحیح بغیر تعصب کے کوئی ترجمہ موجود نہیں۔ ہر مترجم نے اس بات کو تائید کے ساتھ کیا ہے کہ محمد مسیحی عقیدے کا دشمن ہے اوراس بات پر کسی نے مدلل بحث سے کام نہیں لیا حالانکہ یہ بہت ضروری بات تھی۔''(7)

## فرانسیسی تراجم کی ابتداء

اس طرح ۱۶۳۰ء سے ۱۷۸۳ء تک فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کے متعدد ترجمے ہوئے ڈی ریبہ جو کہ ۱۶۳۰ء میں قاہرہ میں فرانسیسی قونصلیٹ میں کام کررہا تھا۔ڈی نے دعویٰ کیا کہ وہ بغیر

کسی تعصب قاری کو اسلام کے بارے میں معلومات مہیا کرنا چاہتا ہے لیکن انہوں نے اپنے ترجمہ کا عنوان ''محمد کا قرآن'' L' Alcoran De Mahomet میں لکھتا ہے ''محمد نے اپنی کتاب کو مختلف فصول میں تقسیم کیا ہے جس کو سورت کا نام دیتا ہے۔''(8)

بعد میں ۱۶۹۸ء میں لاطینی زبان میں قرآنی نص سمیت لوڈوویکو مراچیو Lodovicor Marccio نے ترجمہ کیا، لوڈو نے قرآن کا متن بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ جس میں چالیس سال لگے۔

جارج سیل Goerge Sale کا انگریزی ترجمہ:

۱۷۴۳ء میں جارج سیل Goerge Sale نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا، اب تک اس کے بہت سارے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ لیکن مصنف مذکور نے بھی قرآن کریم کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ قرآن کریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دیا اور یہ تاثر دیا کہ قرآن کریم بیک وقت نازل نہ ہونے کا مقصد یہ تھا کہ اس صورت میں قرآن کریم کو ہنگامی حالات سے نکلنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

## جارج سیل کہتا ہے

> ''اس کے علاوہ قرآن کی کئی آیات عارضی ہیں اور کسی مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو الجھاؤ یا پریشانی میں مبتلا کر دیتا اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ نئی وحی کا سہارا لیتے جو اس قسم کی صورت حال سے نکلنے کا قابل اعتماد اور معصوم ذریعہ تھا اور انہوں نے دیکھا کہ اس طریقہ کار کی کامیابی ان کی توقعات کے مطابق ہے۔ یقیناً محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا قابل تعریف اور سیاسی اختراع تھا کہ آپ سارے قرآن کو بیک وقت صرف پہلے آسمان تک لائے، لیکن زمین پر نہیں لائے جیسے کوئی ناتجربہ کار پیغمبر ضرور کرتا۔ کیونکہ اگر سارا قرآن بیک وقت نازل ہوتا تو بہت سارے اعتراضات پیدا ہوتے

جن کا جواب محمدؐ کے لئے ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا۔ لیکن انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ ان پر قرآن مختصر حصوں میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ہدایت کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ اس طرح ان کے لئے تمام ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مشکلات سے نکلنے کا بہترین ذریعہ موجود تھا'' (9)

## مستشرقین میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہ قرآن کریم اور اسلام کو اصل مصادر کے ذریعے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے

مستشرقین کی ان کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تحریک استشراق میں بے شمار لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو نہ اسلام کو اس کے اصل مصادر کے ذریعے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اپنے اندر یہ سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس قسم کے مستشرقین کی معلومات کا سارا سرمایہ ان کے ہم مشرب مستشرقین کی تحریریں ہیں ان تحریروں میں وہ نظریات درج ہوتے ہیں جو مستشرقین میں صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے مستشرقین جو اسلامی علوم کی روح سے عدم واقفیت کے باوجود اسلامی موضوعات پر لکھتے ہیں ان کی تحریروں کو محض اسی بناء پر سند کا درجہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایک مستشرق کے قلم سے نکلی ہیں اور کسی یورپی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ انصاف تو یہ ہے کہ جب کوئی محقق کسی موضوع کی بنیادی باتوں سے بے خبر ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس موضوع پر ماہرانہ تبصرہ کرنے بیٹھ جائے۔ اکثر مستشرقین یہ کام کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ ایک قابل اعتماد محقق سمجھے جاتے ہیں۔

## ایک واضح مثال

اس کی ایک واضح مثال تھامس کارلائل کے قرآن کریم کے متعلق تاثرات ہیں اس نے اپنے لیکچر "On Heroes and Hero Worship" میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق بہت سی منصفانہ باتیں لکھی ہیں لیکن قرآن کریم کو اس نے غیر مرتب خیالات کا ایک تھکا دینے والا مجموعہ قرار دے دیا۔'' (10)

تھامس کارلائل کی اس تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کو اصل متن سے نہیں دیکھا( کیونکہ وہ عربی زبان وادب سے ناآشنا تھا) ہوسکے انہوں نے قرآن کریم کو جارج سیل کے ترجمے کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی ہو۔

## قرآن کریم پر اہل یورپ اور مستشرقین کے مختلف نوعیت کے، اعتراضات اور ان کا تنقیدی جائزہ

### قرآن کریم کو حضورؐ کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش

جارج سیل کا ترجمہ قرآن مستشرقین کے لئے ایک اہم علمی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں قرآن حکیم کو حضورؐ کی تصنیف ثابت کرنے کی کوشش میں رقمطراز ہے۔

> " That Muhammad was really the autor and chief contreiver of the Koran is the boyend dispute, though it be highly probable that he had no small assistance in his design from others, as his countrymen failed not to object to him. However they differed so much give him shuch assistance, that they were not able, it seems to presumed, having taken his measures too weel to be discovered. (11)

> ''اس حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمدؐ ہیں۔اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمدؐ کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کرسکے، یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ محمدؐ نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لئے اتنے عمدہ اقدامات کئے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔''

## منٹگمری واٹ کی رائے میں قرآن کریم انسانی ذہن کی اختراع ہے:

مشہور مستشرقین منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) قرآن کریم کو انسانی ذہن کی اختراع ثابت کرنے میں کوشاں ہے،

''مسلمانوں کی روایت کے مطابق قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) نے خود بھی یہ سمجھا ہوگا۔ مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ وہ اپنے ذاتی خیالات اور اس وحی میں تمیز کر سکتے ہیں جو خارج سے ان پر نازل ہوتی ہے۔ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو مخلص کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد میں ٹھیک راستے پر تھے۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی مخلص ہو لیکن اس کے باوجود غلطی پر ہو۔ انسان جس خیالات کو خارج سے آتا ہوا محسوس کرتا ہے ممکن ہے کہ خیالات دراصل اس کے اپنے شعور سے ابھرے ہوں۔''(12)

## آرتھر جیفری اور قرآن

آرتھر جیفری Arthur Jeffery قرآن کریم کا تعارف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''قرآن اسلامی صحیفہ ہے۔ اسے قرآن عظیم اور قرآن مجید وغیرہ کے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن اسے Holy Quran یعنی قرآن پاک نہیں کہا جاسکتا۔ کچھ جدید دور کے مغرب کے تعلیم یافتہ مسلمان Holy Bible کے لقب کی نقل کر کے قرآن کو بھی Holy Quran قرآن پاک کہتے ہیں۔ یہ کتاب محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے بیس سالہ دور نبوت کے بیانات کے مجموعے پر مشتمل ہے۔ یہ بات اظہر ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) ایک ایسی کتاب کی تیاری میں مصروف تھے جو مسلمانوں کے لئے وہی حیثیت رکھے جو یہودیوں کے لئے عہد نامہ قدیم اور عیسائیوں کے عہد نامہ جدید کی ہے۔ لیکن اس کتاب کی

تکمیل سے پہلے وہ فوت ہو گئے اور آج قرآن میں جو کچھ ہے یہ وہ ہے جو ان کے بعد ان کے پیروکاروں نے جمع کیا اور اسے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے الہامات کے مجموعے کے طور پر شائع کر دیا۔''(13)

## ان اعتراضات کا تنقیدی جائزہ

مستشرقین کی ان تحریروں سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کریم کلام خداوندی نہیں۔لیکن پھر یہ کیا ہے؟ اس کا مصدر کیا ہے؟ ان سوالات کے جوابات کے لئے انہوں نے ظن وتخمین کے جو گھوڑے دوڑائے ہیں ان کو دیکھ کر ان کی ذہنیت سامنے آتی ہے۔جس کی نشاندہی قرآن کریم نے کئی مقامات پر '' ان ھم الا یظنون'' (یہ لوگ ظن اور گمان سے کام لے رہے ہیں) اور ''ان ھم الا یخرصون'' (نہیں یہ لوگ مگر اٹکلیں دوڑا رہے ہیں)

جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ کہ کے کفار نے بھی یہ شور مچایا تھا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) یہ معلومات کسی اور آدمی سے لے رہے ہیں ۔لیکن ساتھ جارج سیل یہ بھی کہتا ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے مخالفین اپنے اس اعتراض کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

منٹگمری واٹ قرآن حکیم کا منبع ومصدر تلاش کرنے کی کوشش میں اپنے تخیل کے گھوڑے کو بے لگام چھوڑتا ہے جو کسی ایک مقام پر چند لمحے رکتا ہے اور پھر کسی دوسری طرف چل نکلتا ہے۔قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار جن بنیادوں پر مکہ کے بت پرستوں نے کیا تھا۔یورپ کے اہل کتاب اور مستشرقین کا رویہ اس سے مختلف نہیں۔جن لوگوں نے قرآن حکیم کو بشری الاصل قرار دینے کی کوشش کی اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر اعتراض کیا۔ان کے اس اعتراض اور اس کے جواب کو خالق کائنات اور منزل قرآن نے کیسے عمدہ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔

'' وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ط لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْن''(14)

(اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن کریم ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم کی نسبت کرتے ہیں عجمی اور قرآن کریم فصیح اور بلیغ عربی میں ہے۔

**مارگولیوتھ کے اعتراضات کا جائزہ**

**رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کبھی قرآنی آیات کو بھول جاتے**

مستشرق ڈی ایس مارگولیوتھ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک حدیث کی بناء پر قرآن کریم کی حفاظت مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔(15) ام المومنین سے روایت ہے کہ ''ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو مسجد قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :"**رحمه الله لقد اذكرني آية كنت انسيتها** " (16) اللہ ان پر رحم کرے، انہوں نے مجھے ایک ایسی آیت یاد دلا دی جو مجھ سے بھول گئی تھی''

**مارگولیوتھ کے اعتراض کا تنقیدی جائزہ:**

اس روایت میں مارگولیوتھ کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک آیت کسی وقت بھول سکتے ہیں (معاذ اللہ) دوسری آیت میں بھی یہی امکان موجود ہے۔لیکن یہ اعتراض اتنا کمزور ہے کہ ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسے درست تسلیم نہیں کرسکتا، کیونکہ مذکورہ بالا واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بسا اوقات ایک بات کو انسان کو یاد تو ہوتی ہے مگر چونکہ عرصہ دراز تک اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔نہ اس کی طرف خیال جاتا ہے اس لئے وہ ذہن میں مستحضر نہیں رہتی اور جب کوئی شخص اس کا ذکر چھیڑتا ہے تو وہ فوراً حافظے میں تازہ ہوجاتی ہے۔یہ حقیقت میں بھول نہیں ہوئی۔بلکہ عارضی طور پر خیال سے نکل جانا ہوتا ہے۔یہی صورت آنحضرتؐ کو پیش آئی۔اس لئے ایسے واقعے کو بنیاد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسیان کی نسبت کرنا انتہا درجے کی بے انصافی ہے۔جس کا منشاء تعصب کی سوا کچھ نہیں۔بلکہ مسٹر مارگولیوتھ اگر بصیرت اور انصاف کی نگاہ سے دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ اس واقعے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اس غیر معمولی طریقے سے

فرمائی ہے کہ اس کے کسی حصے کے گم ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں اور یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت اتنے بے شمار افراد کو یاد کرادی گئی تھی کہ اگر کوئی آیت کسی وقت اتفاقاً نبی کریمؐ کو عارضی طور پر مستحضر نہ رہی تو تب بھی اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

## کتاب قرآن کریم پر پروفیسر مارگولیوتھ کا اعتراض

پروفیسر مارگولیوتھ نے قرآن کریم کے غیر مکتوب ہونے پر ایک عجیب وغریب استدلال یہ کیا ہے کہ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَاتَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ" (17)

(اور اللہ تعالیٰ تم پر قرآن کریم میں یہ اتار چکا ہے کہ جب تم (کسی مجلس میں) اللہ تعالیٰ آیتوں کے ساتھ کفر اور استہزاء ہوتا ہوا سنو تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یہاں تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ جائیں۔)

یہ آیت مدنی ہے اور اس میں سورۃ انعام کی جس مکی آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

" وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ" (18)

(اور جب ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔)

پہلی آیت میں دوسری آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مارگولیوتھ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی نہیں تھی۔ ورنہ اگر قرآن کریم لکھا ہوا ہوتا تو پہلی آیت میں بعینہٖ وہی الفاظ ذکر کئے جاتے جو دوسرے آیت میں مذکور ہیں۔ الفاظ کے اس اختلاف سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کے نزول کے وقت دوسرے آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے تھے۔(19)

## اس اعتراض کا جائزہ

مارگولیوتھ کا یہ استدلال اس قدر سطحی اور لغو ہے کہ اس جواب دیتے ہوئے انسان شرم محسوس کرتا ہے۔ سوال یہ کہ اگر سورۃ نساء کے نزول کے وقت سورۃ انعام کی مذکورہ آیت کے الفاظ (معاذ اللہ) محفوظ نہیں رہے تھے تو پھر بعد میں وہ کیسے قرآن کریم میں لکھے گئے؟ اگر سورہ انعام کے الفاظ محفوظ نہ ہوتے تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں لکھنے والے سورۃ انعام میں بھی بعینہٖ وہ الفاظ لکھتے جو سورہ نساء میں مذکور ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا لفظی اختلاف تو درحقیقت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں آیتوں کے الفاظ ہمیشہ سے پوری طرح محفوظ اور غیر متبدل تھے اور ان میں کسی قیاس وگمان کو کوئی دخل نہیں رہا۔ کیونکہ اگر قرآنی کریم کی کتابت قیاس اور اندازے سے ہوئی ہوتی تو ان دو آیتوں کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے تھا۔

مولانا تقی عثمانی اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ''اصل بات یہ ہے کہ ہر زبان کے محاورات جب کسی سابقہ گفتگو کا حوالہ دیا جاتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ سابقہ گفتگو کے بعینہٖ الفاظ دہرا دئے جاتے ہیں۔ (جسے انگریزی میں Direct Narration کہتے ہیں) اور بعض اوقات الفاظ بعینہٖ وہی نہیں ہوتے صرف سابقہ گفتگو کے بنیادی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ (جسے انگریزی میں Indirect Narration کہا جاتا ہے) ان دونوں صورتوں میں پہلی صورت بہت کم استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جس سابقہ گفتگو کو حوالہ دیا جارہا ہو اس کے پورے پورے الفاظ دہرائے جائیں۔ اس کے بجائے ادبی محاورات میں زیادہ تر دوسرے صورت اختیار کی جاتی ہے۔ یعنی اس گفتگو کے مفہوم کو دوسرے الفاظ میں ادا کر دیا جاتا ہے۔ سورۃ نساء میں بھی یہی دوسری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ بسا اوقات اپنے جملوں کی ساخت کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب رکھتی ہے۔ لہٰذا اگر ایک سورۃ کے جملوں کے درمیان کسی دوسری سورۃ کا جملہ بعینہٖ جوڑ دیا جائے تو آیتوں کے تسلسل (Sequence) میں فرق پڑ جاتا ہے اور جملوں میں وہ روانی (Flow) برقرار نہیں رہتی جس کی اثر انگیزی سب کے نزدیک مسلم ہے۔ چنانچہ جس شخص کو ادبی ذوق کا کچھ حصہ ملا ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اگر سورۃ نساء کی مذکورہ آیت میں سورۃ انعام کے بعینہٖ الفاظ نقل کر دئے جائیں تو عبارت کا زور اور تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ (20)

اس کے علاوہ سورۃ انعام جس کی مذکورہ آیت کے بارے میں مارگولیوتھ کا دعویٰ ہے کہ وہ لکھی ہوئی نہیں تھی۔ پوری کی پوری سورۃ ایک مرتبہ نازل ہوئی ہے۔(21)

## حفاظت قرآن کے سلسلے میں امام بخاریؒ پر مارگولیوتھ کا بہتان

مارگولیوتھ نے قرآن کریم کی حفاظت پر ایک اور اعتراض ان الفاظ میں کیا ہے ''بخاری کا کہنا ہے کہ ایک جملہ (**الاان تصلوا مابینی و بینکم من القرابة**) ''مگر یہ کہ تم اس رشتہ داری کا پاس کرو جو میرے اور تمہارے اور درمیان موجود ہے'' بذریعہ وحی نازل ہوا تھا۔لیکن شراح کا کہنا ہے کہ یہ جملہ قرآن کریم میں نہیں ملتا،اس لئے وہ اس جملے کو سورۃ ۴۲ آیت ۲۲ یعنی **الاالمودة فی القربیٰ** کی تشریح قرار دیتے ہیں،(22)

اصل عبارت سے مارگولیوتھ نے یہ تاثر دینے کوشش کی ہے کہ امام بخاریؒ ایک ایسے جملے کو قرآن کا جزو مانتے تھے۔ جو اس وقت قرآن میں موجود نہیں تھا۔حالانکہ ہر شخص صحیح بخاری اٹھا کر دیکھ سکتا ہے کہ امام بخاری نے آیت کے الفاظ بعینہٖ وہی نقل کئے ہیں جو قرآن کریم میں موجود ہیں اور **الا ان تصلوا (الخ)** والا جملہ اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے امام بخاری کی پوری عبارت یہ ہے۔

**" باب قوله الا المودة فی القربی حدثنا محمد بن بشار ..... عن ابن عباس أنه سئل عن قوله الا المودة فی القربی فقال سعید بن جبیر قربیٰ آل محمدؐ فقال ابن عباس عجلت ، ان النبیؐ لم یکن بطن من قریش الا کان له فیهم قرابة فقال الا ان تصلوا ما بینی و بینکم من القرابة''** (23)

ملاحظہ ہو! یہاں امام بخاری نے باب کے عنوان میں آیت کا وہی جملہ نقل کیا ہے۔ جو قرآن کریم میں موجود ہے۔ پھر اس کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ سے آیت " **الاالمودة فی القربیٰ**" کی تفسیر پوچھی گئی تھی جس کے جواب میں آپؓ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا"**الاان تصلوا مابینی و بینکم من القرابة**" لیکن مارگولیوتھ صاحب پوری ڈھٹائی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ اس جملے کو بذریعہ وحی نازل شدہ مانتے ہیں،اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحقیق اور انصاف کے یہ دعویدار قرآن کریم کے خلاف تعصب کے کسی دائمی روگ میں مبتلا ہیں۔

## تخلیق آدم، عرش، لوح محفوظ اور میزان پر اعتراض

تخلیق آدمؑ اور ان کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کر دینے کا واقعہ قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوا۔(24) نیز احادیث میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں(25) اس بارے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ تمام قصہ مارسیون (Marcion) کی کتاب سے لیا گیا ہے۔(26)

اسی طرح عرش، لوح محفوظ اور میزان کا عقیدہ ایمانیات میں داخل ہے ۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ۲۳ بار عرش کا ذکر آیا ہے۔اس طرح مذکورہ دونوں چیزوں کا ذکر بھی قرآن میں ہے۔ مستشرقین نے ان کے بارے میں لکھے ہے کہ یہ سب قدیم مصری خرافات سے لی گئی ہے اور یہی عقیدہ ان خیالات کے ذریعے پہنچا جو صحیفہ ابراہیمی میں درج ہے اور جو مصر میں پشتہا پشت رائج تھے۔(27)

واقعہ معراج کے بارے میں ڈاکٹر ٹسڈل نے لکھا ہے کہ یہ روایت صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے ایجاد کی گئی تھی کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو بمقابلہ دیگر انبیاء کے خدا کے دربار میں بہت زیادہ رسائی حاصل تھی اور دیگر انبیاء کے مقابلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ محبوب تھے(28) اسی طرح فرشتوں، اعراف جہنم کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ سب دوسرے قوموں کی روایتوں اور قصے کہانیوں سے لی گئی ہیں۔(29)

عرش، کرسی، تخلیق آدمؑ، لوح محفوظ، فرشتے اور جنت یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر ایمان لایا جاسکتا ہے ان کا مشاہدہ اس دنیا میں نہیں کرایا جاسکتا ہے نہ قرآن سے بڑھ کے ان کی حقانیت کی دلیل پیش کی جاسکتی ہے۔ " فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ " (پس جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے) جہاں تک ان کا یہودی ذرائع سے ماخوذ ہونے کی بات ہے تو یہودی قوم میں آئے ہوئے نبیوں نے بھی ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ان کی روایتوں میں محفوظ ہیں۔ یہ قرآن کریم کی حقانیت کی مزید دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ " (30)

''اگر ہم فرشتے بھی ان پر نازل کر دیتے اور مردے ان باتیں کرتے اور دنیا بھر کی چیزوں کو ہم ان کی آنکھوں کے سامنے جمع کر دیتے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے اور یہ کہ مشیت الٰہی یہ ہو (کہ یہ ایمان لائیں) مگر اکثر لوگ نادان اور جاہل ہیں''

## قرآنی قصص اور تاریخی واقعات پر اعتراض

قرآن کریم میں انبیاء علیہ السلام اور ان کے اقوام کے قصص بیان ہوئے ہیں۔ان کی صداقت اور واقعیت پر ایمان ضروری ہے۔ان تاریخی واقعات اور تاریخی حقائق کے بارے میں مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ سب از خود گھڑ لئے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ اخذ واستفادہ کا بھی الزام لگایا گیا ہے۔کہ قرآن کے زیادہ تر قصے قدیم واقوام سے ماخوذ ہیں۔مثلاً آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کے واقعہ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں سے سنی سنائی روایتوں سے ماخوذ ہیں۔(31)

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور آتش نمرود کے واقعہ کے بارے میں مستشرقین نے لکھا ہے کہ قرآن میں یہ قصہ مسلسل طور پر ایک جگہ بیان نہیں کیا گیا ہے لیکن مسلمانوں نے اس کے منتشر اجزاء اور اس کی کڑیاں ملا کر ایک مفصل قصہ تیار کر لیا ہے جو اصلاً مرداش ربہ (Mirdash Rabba) سے ماخوذ ہے۔اسی طرح ملک سبا اور سلیمان، ہاروت ماروت۔مستشرقین کا کہنا ہے کہ یہ سارے قصے یہودیوں کی پرانی کتابوں یا بائبل کے نسخوں سے ماخوذ ہیں۔(32)

بائبل اور ماقبل صحیفوں میں بھی اس میں سے بعض واقعات بیان کئے گئے ہیں۔لیکن ان کی صحت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کتابوں میں تحریف اور اضافہ معلوم مسلم ہے۔ان واقعات کو صحیح رنگ اور پوری صحت کے ساتھ کوئی کتاب پیش کرتی ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔اب ان کے بارے میں قرآن کریم کی صحت پر شبہ کرنا انسان کی بدقسمتی کی سب سے بڑی مثال ہوگی۔

بائبل وغیرہ میں بزرگ انبیاء کے واقعات مسخ شدہ حالت میں پائے جاتے ہیں۔ان کے انبیائی کردار کو داغ داغ تو کیا ہی گیا ہے۔انسانی کردار بھی بھیانک صورت میں نظر آتا ہے۔(متعلقہ قصوں کا قرآن

اور بائیبل سے وموازنہ کیا جاسکتا ہے) جب کہ قرآن میں ان بزرگ پیغمبروں اور ہستیوں کی زندگیوں کو انسانیت کے لئے نمونہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔اس کے باوجود ان کو بائیبل وغیرہ سے ماخوذ ماننا انصاف کی بات نہیں ہے۔

## قرآن کریم کی عربیت پر اعتراض

قرآن کریم اپنے اسلوب ، ترکیب اور نظم عبارت میں فصاحت وبلاغت کے درجہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے۔بعض مستشرقین نے قرآن کریم میں فصاحت وبلاغت کی خود ساختہ کمیاں وخامیاں دکھا کر اس کو غیر خدائی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً ان کے کہنا ہے کہ قرآن کریم میں بکثرت تکرار ہے جو کہ بلاغت کے منافی ہے۔بعض عبارتوں میں ضمائر کی غلطیاں ہیں۔مثلاً "**هذان خصمان اختصموا فی ربهم**" (33) **میں هذان خصمان اختصمان فی ربهما ہونے** چاہئے۔اسی طرح" **سلام علی الیاسین** " (34) اور"**طورسنین**"(35) کی جگہ"**سلام علی الیاس**" اور طور"سینا" ہونا چاہئے۔عرض یہ ہے کہ اس طرح کی اور بھی بہت سی خود ساختہ خامیاں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔جیسے صرف ونحو کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں بہت سے صرفی اور نحوی غلطیاں موجود ہیں۔مثال کے طور پر " **وقطعناهم اثنتی عشرة اسباطاً** " میں عدد مؤنث اور معدود کو جمع لایا گیا ہے۔حالانکہ از روئے قاعدہ عدد کو مذکر اور معدود کو مفرد لایا جاتا۔(36)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں بلاشبہ تکرار ہے لیکن اس کی حکمت ہدایت سے بے نور محروم دل ودماغ میں نہیں سما سکتی۔اس لئے اس کا بیان کرنا لاحاصل ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کی بعض عبارتوں میں ضمائر کی غلطیوں کا سوال ہے تو وہ غلطیاں نہیں بلکہ مستشرقین کی عربی قواعد وضوابط سے ناواقفیت کی دلیل ہے مثال کے طور پر " **هذان خصمان اختصموا فی ربهم** " (37) میں جمع کے صیغہ کے ساتھ بیان ہوا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ" اختصام" میں جماعت کے امکان کا فائدہ باقی رہے۔دوسری صورت میں یہ افادیت جاتی رہتی جب کہ اس صورت میں بھی ذہن خود بخود تثنیہ حقیقی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔اور یہ عربی قاعدہ کے مطابق ہے کہ ضمیر کا مرجع خواہ لفظاً بیان کیا جائے خواہ معنی دونوں اعتبار سے صحیح ہے۔

اسی طرح الیاس اور طور سینا یہ دونوں اسم معرب ہیں اور ان کا دونوں صورتوں میں تلفظ جائز ہے۔

اسی طرح " **وقطعنا هم اثنتی عشرة اسباطا**" **میں اثنتی عشرة کی تمیز اسباطا نهیں وه مفهوم هے جو" قطعنا هم" کے اندر پایا جاتا ہے۔** اور وہ" **وقطعنا هم اثنتی عشرة**" قطعۃً ہے پس عدد بھی مؤنث ہے اور معدود بھی پھر تعارض کہاں رہا۔(38)

## قرآن کریم کی مختلف قرأتوں کو غلط رنگ میں پیش کرنا

عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کی کتابیں تضادات سے پر ہیں ان کے مختلف فرقوں کے نزدیک بائبل کی کتابوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہیں۔ تاریخی بیانات اور اعداد و شمار کے اختلافات جابجا نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے اختلافات کے اسباب درج ذیل ہیں۔

1) نقل کرنے والوں کی غلطی۔
2) جس دستاویز سے نقل کی جارہی ہے اس میں غلطیوں کا موجود ہونا۔
3) کاتبوں کا کسی سند اور ثبوت کے بغیر متن کی عبارت میں اصلاح کی کوشش کرنا۔
4) مختلف مذہبی فرقوں کا اپنے مؤقف اور مدعا کو ثابت کرنے کے لئے قصداً تحریف کرنا۔(39)

جو کچھ سرسید احمد خان نے لکھا ہے اس کا عملی ثبوت ہمیں بائبل کے مختلف (Versions) کے مطالعے سے جابجا ملتا ہے۔ ایک زبان کی انجیل کچھ کہتی ہے اور اس کا دوسری زبان میں ترجمہ کچھ اور۔

مستشرقین قرآن کریم میں بھی اسی صورتحال کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے مختلف حربے استعمال کرتے ہوئے جس میں سے ایک حربہ قرآن کریم کی قراءات کو غلط رنگ میں پیش کرنے کا ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح بائبل کے مختلف (Version) ہیں اسی طرح یہ قرأتیں بھی قرآن کریم کے مختلف ورژن ہیں، جارج سیل کہتا ہے۔

"Having metioned the defferent edition of the Quran, it may not be amiss here to acquaint the reader, that there are seven

principal editions, if I my so call them or ancient copies of the book, two of which were published and used at Madina, a thired at Mecca, a fourth at Cufa, a fifthe at Basra, a sixth at Syria and senventh called the common or vulgar edition" (40)

''قرآن کے ایڈیشنوں کا ذکر کرنے کے بعد قارئین کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ قرآن کریم کے ابتدائی ایڈیشن ساتھ ہیں۔ اگر ان کو ایڈیشن کہنا مناسب نہ ہو، ہم ان کو اس کتاب کی سات نقلیں کہیں سکتے ہیں۔ جن میں دو مدینہ میں شائع ہوئیں اور وہیں استعمال ہوتی تھیں۔ تیسری مکہ میں چوتھی کوفہ میں، پانچویں بصرہ میں چھٹی شام میں اور ساتویں نقل کو عام ایڈیشن کہ سکتے ہیں۔''

جن شہروں کے ساتھ قرآن کریم کے ایڈیشنوں کو منسوب کرنے کی جارج سیل نے کوشش کی ہے۔ دور رسالت میں ان میں اکثر اسلامی مملکت میں شامل نہیں ہوئے تھے۔

غالباً جارج سیل نے قرآن کریم کی سات قرأتوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں قرآن کریم کی نقلیں بھیجنے کے مختلف مضامین کو اکٹھا کر کے اپنے تخیل کے زور پر یہ افسانہ گھڑا ہے اور یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ جس طرح رومن کیتھولک عیسائیوں کی بائیبل اور ہے اور پروٹیسٹنٹ کی اور اسی طرح مدینہ کا مسلمانوں کا قرآن اور تھا اور مکہ کے مسلمانوں کا اور، بصرہ اور شام والوں کا کچھ اور، اور ایک قرآن ایسا بھی تھا جو عام تھا کسی کی تخصیص نہ تھی۔ اگر بفرض محال دور صحابہؓ میں ملت اسلامیہ میں اتنے مختلف قرآن مروج ہوتے تو آج ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی۔

ہم اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی مختلف قرأتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی موجود تھیں اور آج بھی وہ موجود ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت وہ نہیں جو مستشرقین ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں اختلاف قراءات کی ایک مثال ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

" وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا لا سُبْحٰنَهٗ" (41) (اوروہ کہتے ھیں بنالیا ھے اللہ تعالیٰ نے (اپنا) ایك بیٹا ، پاك ھے وہ( اس تھمت سے ) ابن عامر نا اس کو بغیر واؤ کے "قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا لا سُبْحٰنَهٗ"

پڑھا ہے لیکن جمہور قرأ نے اس کو واؤ کے سات پڑھا ہے۔ جو حضرات بغیر واؤ کے پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہاں سے نیا جملہ شروع ہو رہا ہے اور جو اس کو واؤ کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا اپنے ماقبل پر عطف ہے۔(42) دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی رہتا ہے کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔

یہ چند اعتراضات ہم نے مثال کے لئے ذکر کر دیئے۔ ورنہ اور بھی مستشرقین کے خودساختہ اعتراضات ہیں جن کا ذکر کرنا یہاں ضروری نہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمدٍ وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین

# حوالہ جات


01۔ ڈاکٹر محمد حمدی زقزوق، الاتشراق والخلیفۃ الفکریۃ للصراع الحضاری، ص۲۵، القاہرۃ ۱۹۸۹ء

02۔ ایضاً

03۔ ڈاکٹر احمد دیاب، اضواء علی الاستشراق، ص۱۳، القاہرۃ، ۱۹۸۹ء

04۔ ایضاً

05۔ ڈاکٹر احمد دیاب، ص۱۳

06۔ ایضاً

07۔ فوزیۃ العشماری، کیف تعامل الغرب مع القرآن الکریم، مجلّہ العربی، العدد ۵۷۸، جنوری ۲۰۰۷، ص ۲۶

08۔ فوزیۃ العشماری، کیف تعامل الغرب مع القرآن الکریم، مجلّہ العربی، ص ۲۶

09۔ Sale G. " The Koran" New York, 1890, Page: 50

10۔ تھامس کارلائل، آن ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ، ص۲۲۹

11۔ Sale G. "The Koran " New York, 1980, Page: 48

12۔ منٹگمری واٹ ''محمد: پرافٹ اینڈ سٹیٹسمین''، ص۱۷، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۱

13۔ Arthur Jeffery "Islam, Muhammad and his Religion" India. 1979, Page:47

14۔ النحل:۱۰۲

15۔ Margolioth D.S., Encyclopeadia of Religion and Ethics , Page: 543

16۔ البخاری، کتاب فضائل القرآن، صحیح مسلم، فضائل القرآن

17۔ سورۃ النساء:۱۴۰

18۔ سورۃ الانعام:۶۸

19۔ Margoliouth D.S. Encyclopeadia of Religion and Ethics , Vol: 10 Page: 542

20۔ مولانا تقی عثمانی، علوم القرآن، ص۲۱۸

21۔ تفسیر ابن کثیر، ج۲، ص۱۲۲

22۔ Margoliouth D.S. Encyclopeadia of Religion and Ethics , Vol: 10 Page: 543

23۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، سورۃ حم، عسق

24۔ سورۃ الحجر:۳۲ ..... ۴۰، سورۃ الاعراف ۱۱ ..... ۱۲ وغیرہ

25۔ المشکوۃ باب فی الوسوسہ بحوالہ مسلم وغیرہ

26۔ مآخذ القرآن، ڈاکٹر ٹسڈل، اردو ترجمہ ماہنامہ نگار، لکھنؤ، قرآن نمبر، جنوری ۱۹۴۵ء ص ۸۴

27۔ ایضاً ص ۸۴

28۔ ٹسڈل، ص ۸۴

29۔ ٹسڈل ص ۸۴، تفصیل کے لئے محمد جرجیس کریمی، قرآن اور مستشرقین، ادارہ خدمت خلق (بہار) انڈیا، ۱۹۹۹، ص ۲۵

30۔ سورۃ الانعام:۱۱۱

31۔ قرآن اور مستشرقین مآخذ القرآن کے متعلقہ مباحث دیکھئے۔

32۔ قرآن اور مستشرقین، ص ۶۶

33۔ سورۃ الحج:۱۹

34۔ سورۃ الصافات:۳۰

35۔ سورۃ التین:۲

36۔ زکریا ہاشم، المستشرقون والاسلام، بحث الاستعمار والقرآن۔

37۔ سورۃ الحج:۱۹

38۔ قرآن اور مستشرقین، ص ۶۹

39۔ سیرت سید احمد خان، سیرت محمدی، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص ۳۸۴

40۔ "The Koran" Page-45

41۔ البقرۃ: ۱۱۶

42۔ افترآت المستشرقین علی الاسلام، ص ۲۴

**********